جدید یورپ کا ارتقاء اور اسلام پر جدید مطالعات کا آغاز

محمد اشفاق عالم ندوی 17/07/2017

mazameen.com

ابتداء آفرینش ہی سے حق و باطل کی کشمکش رہی ہے اور ہر دور میں حق کو باطل کے تیروں کا نشانہ بننا پڑا ہے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ اس شمع اسلام کو گل کرنے والی ہزاروں آندھیاں اٹھی اور کاروان حق کی اس ناؤ کو ڈبو دینے کی ہزاروں کوششیں ہوئیں لیکن ہر طوفان اس چٹان سے ٹکرا کر اپنا رخ پھیر لینے پر مجبور ہو گیا۔ اسلامی تاریخ نے وہ بد ترین دن بھی دیکھا جس دن اسلام کے بڑھتے قدم کو روکنے کے لئے دار الندو میں آخری رسول کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا تھا لیکن خدائی قانون کی دفعات اس کے بالکل برعکس تھیں قرآن کریم میں اس کا قانون یہ بتایا گیا ہے۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ اس کے بعد مدینہ کے یہود و منافقین نے اشاعت اسلام کے راستے میں بند باندھنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن حق پھیلنے کے لئے ہی کرہ ارضی پر جلوا گر ہوا تھا اور پھیلتا ہی رہا اور ایک صدی سے بھی کم عرصہ میں اس نے دنیا کے دو براعظموں ایشیا و افریقہ کو اپنا زیر نگیں بنالیا اور براعظم یورپ کے دروازوں پر دستک دینا شروع کر دی جس سے گھبرا کر یہودیت و نصرانیت مل کر اسلام کے راستے میں مزاحم ہوئے لیکن شکست ان کا مقدر بنی، چنانچہ میدان کارزار میں شکست خوردگی کے بعد انہوں نے تلوار چھوڑ کر قلم کا سہارا لیا اور اسلام کی شکل مسخ کر کے اسے جدید دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اسکی شبیہ بگاڑنے کے لئے انہوں نے اپنی ریسرچ اور تحقیقات کی آڑ میں سیدھے سادے اسلام کو ایک خوشنما زہر بنا دیا جس کا ہلکا سا اثر بھی ایک مسلمان کو اس کے دین پر باقی نہ رہنے دے لیکن اس میدان میں بھی ان کا مقابلہ ایسے سرفرشوں سے ہوا جنہوں نے اس زہر کے لئے تریاق تلاش کر لیا۔ اور اس بار بھی شکست ان کا مقدر قرار پائی۔ اس مختصر سے مقالے میں ہم جدید یورپ کے عروج وار تقاء اور اس کے اسباب و وجوہات اور پھر اسلام کی شبیہ کو مسخ کر دینے کی جو کوششیں ہوئیں اس پر بھر پور روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

تاریخ یورپ کے ادوار

آٹھویں صدی قبل مسیح کے بعد تاریخ یورپ کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔دور قدیم:۔جو آٹھویں صدی قبل مسیح سے پانچویں صدی عیسوی تک پھیلا ہوا ہے۔یہی وہ زمانہ ہے جب رومہ کی عظیم سلطنت قائم ہوئی تھی اور یونان سے علوم و معارف کے دریا بہہ نکلے تھے ۔

2۔قرون وسطی:۔یہ وہ زمانہ ہے جو زوال رومہ 476ء سے شروع ہو کر یورپ کی نشاۃ ثانیہ یعنی سولہویں صدی عیسوی پر ختم ہوتا ہے۔

3۔دور جدید:۔جو سولہویں صدی عیسوی سے شروع ہوا ہے ۔

قرون وسطی میں یورپ کی اخلاقی،معاشی،معاشرتی اور علمی حالت:

تاریخ بتاتی ہے کہ یورپ مختلف وحشی قبائل کا مسکن تھا۔بحیرۂ اسود کے شمالی اور دریائے ڈنیپر (deniper) کے دونوں طرف گاتھ آباد تھے،موجودہ پولینڈ،رومانیہ،اور ہنگری وغیرہ کے مقام پر ہنز رہتے تھے،جرمنی تین خونخوار قبائل یعنی ڈینڈلز، سیکسنز اور اینگلز کا وطن تھا،فرانس میں فرانک اور برطانیہ میں سلٹ (CELTS) رہتے تھے اور باقی حصوں میں بھی اجڈ قبائل آباد تھے۔جو کہ صدیوں تک وحشت و بربریت اور تہ بتہ جہالت میں ڈوبے ہوئے تھے،تہذیب و اخلاق کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔

ڈاکٹر ڈریپر(1882ء)لکھتے ہیں کہ قرون وسطی میں یورپ کا بیشتر حصہ لق ودق بیاباں یا بے راہ جنگل تھا۔کہیں کہیں راہبوں کی خانقاہیں اور چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد تھیں جابجا دلدلیں اور غلیظ جوہڑ تھے۔لندن اور پیرس جیسے شہروں میں لکڑی کے ایسے مکانات تھے جن کی چھتیں گھاس کی تھیں۔آسودہ حال امراء فرش پر گھاس بچھاتے اور بھینس کے سینگ میں شراب ڈال کر پیتے تھے۔صفائی کا کوئی انتظام نہیں تھا،گلیوں میں فضلے کے ڈھیر لگے رہتے تھے ۔روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔عوام ایک ہی لباس سالہا سال تک پہنتے تھے جسے دھوتے نہیں تھے نتیجہ وہ چرکین،میلا اور بدبودار ہو جاتا تھا ۔

فقر وفاقہ کا یہ عالم تھا کہ لوگ سبزیاں، پتے اور درختوں کی چھالیں ابال کر کھا لیتے تھے۔ متوسط طبقہ کے یہاں ہفتے میں ایک مرتبہ گوشت عیاشی سمجھا جاتا تھا۔ مذہبی طور پر عیسائیت کا غلبہ تھا چنانچہ ان کے پادری فریب اور جعلسازی سے کام لیتے تھے۔ پوپ جنت کی راہداری اور گناہ کرنے کی پرمٹ (اجازت نامہ) فروخت کرتے تھے۔ علماء عشائے ربانی، کرامات اولیاء، رہبانیت اور تصرفات روح کی بحثوں میں الجھے ہوئے تھے ۔

دوسری طرف ساتویں صدی عیسوی میں اسلام سرزمین عرب میں آیا تو عربوں کو علم وہنر کی کنجی مل گئی جس کے ذریعہ انہوں نے نئے نئے علوم وفنون سے دنیا کو متعارف کرایا۔ فتوحات کا سلسلہ بھی بڑھا اور مسلمان ایشیا سے نکل کر افریقہ اور پھر یورپ میں داخل ہو گئے اور اسپین سے لیکر فرانس کے حدود تک پہونچ گئے۔ اور اسپین میں مسلمانوں کی ایک شاندار حکومت قائم ہو گئی۔ یہ حکومت بہت جلد علم وفن کا مرکز بن گئی۔ صنعت وحرفت، تجارت و معیشت میں دنیا کی ترقی یافتہ قوموں سے نظریں ملانے لگی۔ دوسرے ممالک سے لوگ جوق در جوق علم کی تلاش میں وہاں آنے لگے چنانچہ جربرٹ دی اور لیاک (Jerbert de Oraliac) پہلا شخص تھا جس نے خفیہ طور پر اندلس جا کر علوم اسلامیہ حاصل کی اور اشبیلیہ اور قرطبہ کے اساتذہ فن سے کسب فیض کیا اور اندلس سے واپسی کے بعد اس کو سلوسٹر دوم (999ء۔1003ء) کے نام سے روم کے کلیسا کا پوپ منتخب کیا گیا ۔

ڈاکٹر مصطفی سباعی لکھتے ہیں کہ اس کے بعد مغرب کے دیگر فضلاء اور اہل علم اندلس گئے اور وہاں مسلمانوں اور عربوں کے علوم وفنون سے استفادہ کیا اور واپس آکر اپنے اپنے وطن میں اسلامی تہذیب وثقافت کی اشاعت کی، عربی زبان کی تعلیم کے بہت سے ادارے قائم کئے ۔"

طلیطلہ کے اسقف اعظم ریمنڈ لل نے بعض عربی کتب کا لاتینی زبان میں ترجمہ کیا۔ اٹلی نزاد جیرارڈ دی کریمون (Gerard de cermona) (1114ء۔1187ء) نے طلیطلہ کا سفر کیا۔ وہاں عربی زبان سیکھی اور اپنے وطن واپس آکر فلسفہ، طب، فلکیات اور دیگر موضوعات پر 87 کتابوں کا ترجمہ کیا۔

یہ سب انفرادی علمی کاوشیں تھیں کیونکہ کلیسانے جس کی اب تک بالادستی قائم تھی اور علم پر اس کا قبضہ تھا عام طور پر علم حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی تھی یہی نہیں بلکہ متعدد اہل علم پاپاؤں اور پادریوں کے علم دشمنی کی وجہ سے موت کے گھاٹ تار دیئے گئے۔ کوپرنیک (1473ء۔1543) گلیلیو ۔ گلیلی (1564ء۔1642ء) اس کی زندہ مثال ہیں

لیکن صلیبی جنگوں میں شکست فاش کے بعد لوئی نہم کی وصیت کے مطابق بعض پادریوں نے پاپائے اعظم سے ملاقات کی اور ان کے سامنے مسلمانوں کو زیر کرنے اور ان کو شکست دینے کے لیے لوئی نہم کا فارمولہ پیش کیا جس میں اس نے مشورہ دیا تھا کہ جنگ کے بجائے علم کے راستے کو اختیار کیا جائے اور مسلمانوں کی طاقت اور ان کے جذبے ایثار وقربانی کے اسباب وعوامل کا پتہ لگایا جائے اور پھر ان کی قوت وطاقت کے سرچشمہ کو خشک کر دیا جائے۔ چنانچہ ان پادریوں نے پوپ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ کلیسا علم حاصل کرنے کی عام اجازت دے اور اس کے لئے ادارے قائم کرے اور اس کے ذریعہ عیسائیت کی تبلیغ واشاعت کی جائے۔

یہ منصوبہ پیش کرنے والوں میں سرفہرست روجر بیکن اور ریمنڈ لل تھے اس کے بعد 1312ء میں ویانا کے کلیسانے علم حاصل کرنے خصوصا اسلامی علوم وفنون اور عربی زبان سیکھنے کی اجازت دیدی اور فوری طور پر اس مقصد کے لئے پیرس، آکسفورڈ، پولینڈ کے تعلیمی اداروں میں عربی زبان وادب اور مشرقی علوم کے شعبے کئے گئے اور عربی کتابوں کے انگریزی زبان میں ترجمہ ہوئے۔ ایک تحقیق کے مطابق پندرہوں صدی عیسوی تک تقریبا چارسو کتابیں عربی سے انگریزی اور یورپی زبانوں میں منتقل ہو گئیں۔ اور تقریبا چھ صدیوں تک عربوں کی کتابیں یورپی یونیورسٹیوں میں نصاب کی بنیاد رہیں اور یورپ ان کو اپنا علمی مآخذ سمجھتا رہا۔

دور جدید کا یورپ:

پندرہویں صدی میں قسطنطنیہ کے سقوط (1453ء) اور ویانا کے سرحد تک عثمانی فوجوں کے پہونچنے کے بعد جس نے یورپ کی چولیں ہلادیں اور جس سے اہل یورپ کے حصول علم رجحان میں مزید تیزی آئی اور دوسری ایک وجہ یہ بھی رہی کہ صلیبی جنگوں میں مسلمانوں سے معاندانہ ٹکراو اور اسپین میں مسلمانوں سے مصالحانہ میل جول کا نتیجہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی شکل میں ظاہر ہوا۔

مسیو لیبٹری لکھتے ہیں کہ اگر تاریخ میں عرب منصہ شہود پر نمودار نہ ہوتے تو علوم وفنون اور تہذیب وتمدن مین یورپ کی بیداری کئی صدی اور مؤخر ہو جاتی۔" بریولٹ اپنی کتاب" انسانیت کی تعمیر" میں لکھتے ہیں کہ جدید دنیا پر عربی تہذیب کا سب سے بڑا احسان علم ہے لیکن اس کے نتائج بعد میں رونما ہوئے۔ جس عظیم جنیئس نے اسپین میں عربی تہذیب کو جنم دیا وہ ایک طویل وقت گزارنے کے بعد اپنے شباب کو پہونچی اور تنہا علم ہی نے یورپ کو حیات نو نہیں کی بلکہ اسلامی تہذیب کے اور بھی بہت سے مؤثرات کارفرما تھے جس اسلامی تہذیب نے اپنے فن کی پہلی کرنیں یورپ پر ڈالیں، یورپ کی ترقی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اسلامی تہذیب سے متأثر ہوئے بغیر رہ گیا ہو۔"

یورپ نے مسلمانوں سے علم سیکھا۔ تہذیب وتمدن سیکھی اور نظریہ آزادی حاصل کیا اور مسلمانوں سے تجربی علوم حاصل کئے اور ان پر اپنی نشاۃ ثانیہ کی بنیاد رکھی ۔

یورپ کی نشاۃ ثانیہ:

قرون وسطی کے مقابلے میں جدید دور کے ذہنی رنگ ڈھنگ کا آغاز اٹلی میں ہونے والی تحریک سے ہوا جسے نشاۃ ثانیہ کہتے ہیں۔ ابتداء میں چند لوگ اس طرح کا نظریہ رکھتے تھے جس میں خاص طور پر پٹرارک کا نام آتا ہے لیکن پندرہویں صدی میں یہ تحریک باذوق، باادب، دنیادار اور دین دار دونوں قسم کے اطالوی باشندوں کی ایک بڑی تعداد میں پھیل گئی۔

فلورینس دنیا کا بہت تہذیب یافتہ شہر ہونے کے علاوہ نشاۃ ثانیہ کا منبع ہونے کی وجہ سے بھی اہم ترین سمجھا جاتا ہے۔ ادبی دنیا کے تقریبا تمام بڑے ادباء اور دنیائے فن کے اہم ترین اور نامور لوگوں کا تعلق فلورینس سے تھا ۔

تیرہویں صدی میں فلورینس میں تین طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگ رہتے تھے۔ اشرافیہ (دولت منداور جاگیردار) امیر کبیر تجار (بورژوا) اور ادنی لوگوں کا طبقہ۔ یہ سب باہمی مفادات کے لئے باہم دست وگریباں تھے، ان میں سے اشرافیہ کے لوگ بنیادی طور پر پوپ کے خلاف شہنشاہ کی حمایتی تھے

جب کہ دوسرے طبقوں کے لوگ شہنشاہ کے خلاف پوپ کی حمایت کر رہے تھے۔ان میں اول الذکر طبقہ شکست سے دوچار ہوااور چودھویں صدی مین ادنی طبقہ کے لوگوں نے بھی بورژواطبقے سے اپنی جان چھڑالی۔

نشاۃ ثانیہ کا دور فلسفے میں حاصل کی گئی کسی بڑی کامیابی کا دور نہیں تھالیکن اس کے نتائج کے طور پر جو چیزین سترہویں صدی میں ہوئیں وہ بڑی اہمیت کا حامل تھی۔اس نے افلاطون کے مطالعہ کا از سر نو احیاء کیا۔آزادی رائے اور فکری آزادی پروان چڑھی چنانچہ نشاۃ ثانیہ کے نتیجہ میں انسانوں نے معقول انداز سے سوچنا شروع کیااور قدیم دور سے چلی آرہی لغویات کی بابت ان کے افکار وخیالات میں وسعت نظری پیدا ہوئی۔

اسی طرح اخلاقی حالات وواقعات کے دائرہ کار سے باہر نشاۃ ثانیہ بڑی خوبیوں کی حامل تھی۔فن تعمیرات، فن مصوری، شاعری اور دیگر علوم وفنون کو اس دور مین بڑی ترقی حاصل ہوئی، عربی وعبرانی زبان سیکھنے کا عام رواج ہوا۔مشنریوں نے ادارے اور اسکول قائم کئے۔اس دور میں بڑے بڑے فلسفی اور ۔ اہل علم پیدا ہوئے جیسے لیوناڈو، مائیکل، اینجلو اور میکاولی وغیرہ۔اس نے پڑھے لکھے انسانوں کو قرون وسطی کے تنگ وتاریک تمدن سے آزادی دلائی

صنعتی انقلاب

نشاۃ ثانیہ کے نتیجہ کے طور پر یورپ میں علوم وفنون کا عام رواج ہو گیا۔طب، فلکیات، اور سائنس وریاضی کے عربی کتب کے تراجم انگریزی ودیگر یورپین زبانوں میں ہو چکی تھی۔اب صرف ان علوم وفنون کا مظہر سامنے آنا باقی تھا جو اٹھارہویں صدی کے آخر کے پچاس سالہ مدت میں برطانیہ میں صنعتی انقلاب کی شکل میں رونما ہوااور پھر انیسویں صدی کے ابتداء میں بڑی تیزی کے ساتھ باقی یورپ میں پھیلتا چلا گیا۔فرانس، جرمنی، اٹلی، آسٹریا اور روس وغیرہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ہر جگہ جسمانی محنت کی جگہ مشینوں نے لے لیں۔کپڑا بننے اور دھاتوں کی چیزیں بنانے کی صنعتوں اور انجن بنانے میں نئے نئے ایجادات ہونے لگے۔

1829ء میں بھاپ سے چلنے والی ریل گاڑی کی ایجاد سامنے آئی اور بہت کم عرصہ میں اس کو خوب ترقی ملی۔صرف 1850ء سے 1870ء تک ایک لاکھ 40ہزار میل ریلوے لائن بنادی گئی۔ریلوے کی وجہ سے ذرائع آمد ورفت میں حیرت انگیز توسیع ہوئی۔اس سے ملک میں تجارتی کاروبار میں بڑی

سہولت میسر آئی اور بیرون ممالک سے تجارتی روابط بڑھے۔ ایندھن کی مانگ میں بڑا اضافہ ہوا۔ قریب قریب اسی زمانے میں دخانی جہاز کی ایجاد کے باعث ذرائع نقل و حمل میں ایک اور انقلاب رونما ہوا اور بڑے بڑے سمندر جو کبھی آمد و رفت میں بڑی رکاوٹ بنے ہوئے تھے اس میں آسانیاں پیدا ہوئیں ۔

صنعت و حرفت کی اس قدر ترقی نے پورے یورپ کا نقشہ ہی بدل کر رکھ دیا، چنانچہ عیش و عشرت کے سامان کی فراوانی تو ہوئی۔ لیکن تجارتی منڈیاں ماند پڑ گئیں۔ چنانچہ سرمایہ داری کے اس تیز رفتار ترقی اور بورژوا طبقے کے بڑھتے ہوئے قدم کے باعث نوآبادیاتی توسیع کی ایک نئی لہر کا آغاز ہوا۔ بورژوا کو خام اشیاء اور سستے وسائل اور نئی منڈیوں کی ضرورت محسوس ہوئی اور اسی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے نوآبادیاتی نظام کی ابتداء ہوئی اور ان توسیع پسند ملکوں میں برطانیہ صف اول پر تھا۔ اس نے برما، ہندوستان، چین پر اپنا تسلط جما لیا۔ ہندوستان میں کپڑے کی صنعت کو تباہ و برباد کر کے اپنے تجارتی منڈی کی طور پر اس کا استعمال کیا اور چین سے افیون سستی قیمتوں میں خرید درآمد کرنا شروع کیا۔ اور جس سے اس کو بہت زیادہ منافع ہوا۔ ساتھ ہی ساتھ یہاں کے علمی سرمایے کو اٹھا کر یورپ منتقل کر دیا گیا۔ ہندوستان کی سنسکرت اور فارسی زبان میں موجود تمام کتابیں بڑی اہمیت کے حامل تھیں۔ طب، فلسفہ اور اسلامی علوم و فنون سے متعلق یہ کتابیں آج لندن کے کتب خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں ۔

دوسری طرف فرانس نے الجیر، مصر اور دیگر افریقی ممالک پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے صحت منداور تندرست مرد و خواتین کو گرفتار کر کے غلام بنا لیا۔ اور یورپ میں انسانوں کی خرید و فروخت عام ہوتی چلی گئی۔ ان غلاموں سے کمپنیوں میں جانوروں کی طرح کام لیا جاتا تھا۔ اور ایک زمانہ تک افریقی غلاموں کو امریکہ اور امریکی غلاموں کو یورپ منتقل کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد زوال پذیر اسپین کی طرف نگاہیں اٹھیں اور برطانیہ، فرانس، پولینڈ کی متحدہ افواج نے اسپین پر حملہ کر کے اسے بھی تباہ و برباد کر دیا اور وہاں کے کتب خانوں کو فرانس منتقل کر دیا گیا ۔

دوسری طرف صنعتی انقلاب کی وجہ سے دولت بورژوا طبقہ میں محدود ہو کر رہ گیا تھا اور ادنی طبقہ اپنی زمینوں سے بے دخل ہو کر فیکٹریوں میں کام کرنے پر مجبور تھے۔ اس لئے سرمایہ داران مزدوروں کی بڑی بے رحمی سے استحصال کر رہے تھے۔ کم سے کم وقت میں وہ مزدوروں کو نچوڑ کر زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی ہر طرح کوشش کرتے تھے۔ اور اکثر ان سے 16 سے 18 گھنٹے کام لیتے تھے۔ عورتوں اور بچوں کی محنت کا وسیع پیمانے پر استعمال

کیا جاتا تھا جو آسانی سے سستی قیمتوں میں مل جاتے تھے۔ مزدوروں کے اس بے انتہا استحصال سے ان کے جسمانی یا کم از کم روحانی تنزل کا خطرہ ضرور لاحق ہو گیا تھا اور اس طرح جاگیردارانہ نظام کے بعد سرمایہ دارانہ نظام اس کی جگہ پر قابض ہو گیا تھا ۔

یورپ میں اسلام پر جدید مطالعہ کا آغاز

ایک طرف اسلامی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون اور مسلمان علماء و مفکرین کے بدولت یورپ میں سوچنے اور غور و فکر اور علمی میدان میں آگے بڑھنے کا شوق بیدار ہوا تھا جس کی وجہ سے پاپائیت اور ملوکیت کے رد عمل میں سیکولرازم، پھر جاگیردارانہ نظام کے خلاف کیپٹل ازم اور خود کیپٹل ازم کے خلاف اشتراکیت جیسے نظریات یکے بعد دیگر سامنے آرہے تھے

دوسری طرف ایک ترقی یافتہ قوم کے علوم و فنون، تہذیب و ثقافت کو اپنا کر اپنی ترقی کی راہیں ہموار کرنے کی کوششیں دسویں صدی یا اس بھی پہلے سے شروع ہو گئی تھی۔ اور اس وقت ان کے بحث و تحقیق کا مقصد خالص علمی و معروضی تھا۔

مولانا وثیق ندوی لکھتے ہیں" اسلامی علوم و فنون کی خالص علمی بحث و تحقیق کا آغاز دسویں صدی عیسوی میں ہوا یہ تحقیق کرنے والے مستشرقین معروضی اور تحقیقی و علمی مزاج رکھنے والے تھے ان میں حسد و عداوت نہ تھی "

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ اسلام اور اس کے تہذیبی کارناموں سے واقفیت حاصل کرنے کا جذبہ مغرب میں اس وقت بیدار ہوا تھا جب اسپین اور سسلی کی سرزمین پر عربوں نے قدم رکھا تھا۔ یہ صرف ایک ملک یا ایک جزیرہ کی فتح نہ تھی بلکہ تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کے ایک نئے اور انقلاب آفریں دور کا آغاز تھا۔ جس نے بقول فرانسیسی مستشرق پروفیسر میسی نیون تہذیبی اعتبار سے یورپ کو بیدار کیا اور مغرب کے ترقی کے لئے نئے نئے امکانات پیدا کر دئے۔ عربوں کے علوم و فنون کو حاصل کرنے، ان کا علمی سربلندی کا راز دریافت کرنے کا جذبہ اس بات کا محرک ہوا کہ اسلام کا تحقیقی مطالعہ کیا جائے۔ عربوں کی نئی تحقیقات، نئے علمی تجربات اور نئے علمی رجحانات سے یورپ کے عالم استفادہ کرنا چاہتے تھے۔"

چنانچہ یورپ کا شاہراہ ترقی پر یہ پہلا قدم تھا جس پر قدم رکھتے ہی اس نے علمی دنیا کی سربراہی کا راز پالیا اور اس کے بعد وہ عظیم الشان علمی کارنامے انجام دئے جنہوں نے اس کو علمی فضیلت کی صف اول میں پہونچا دیا۔اب مسلم ممالک زوال پذیر تھے اور یورپ زمین سے ثریا کی طرف اپنے علمی، سیاسی، اور تہذیبی سفر میں مصروف تھا اور اس سفر میں سد راہ بننے والے کانٹے کو جڑ سے اکھاڑ دینے کی کوششیں تیز تر ہوگئی تھیں ۔

لارنس براؤن کہتے ہیں کہ پہلے ہم یہودی خطرے سے ڈرتے تھے، زرد خطرے (جاپان، چین) سے ڈرتے تھے اور اشتراکیت سے ڈارتے تھے لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا، اس لئے کہ یہودی ہمارے دوست نکلے، چنانچہ ان پر ظلم کرنے والا ہمارا جانی دشمن ہوگا پھر دوسری جنگ عظیم کے دوران اشتراکی ہمارے حلیف بنے رہے، رہا زرد خطرہ (جاپان، چین) تو اس نمٹنے کے لئے بڑی جمہوری حکومتیں کافی ہیں۔اب اصل خطرہ نظام اسلامی اور اس کے زندہ و جاوید مذہب ہونے کی حیثیت سے اپنے حلقۂ متبعین کو وسیع کر لینے کی غیر معمولی قدرت وصلاحیت سے ہے۔ مسلمان زبردست، حیرت انگیز، حیات بخش طاقت و قوت کے مالک ہیں۔یورپی سامراج کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تنہا یہی (اسلام) ہے ۔''

ایک دوسرے مغربی رہنما کہتے ہیں کہ میرے خیال میں کمیونزم یورپ کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ حقیقی خطرہ اسلام سے ہے، جو ہم کو براہ راست چیلنج کر رہا ہے۔ مسلمان ہماری مغربی دنیا سے الگ اپنی ایک مستقل دنیا رکھتے ہیں۔ان کے پاس خالص روحانی سرمایہ ہے اور وہ ایک حقیقی سچی اور تاریخی تہذیب وتمدن کے مالک ہیں۔ مسلمانوں میں اس کی صلاحیت واہلیت ہے کہ وہ بغیر کسی تعاون و مدد کے ایک نئی دنیا کی بنیاد رکھ سکتے ہیں ۔''

اس دور کے مستشرقین اسلام اور اسلامی تہذیب کو اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے۔اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ سے واقفیت اور اسلام کے دوبارہ غالب ہونے کے خوف نے مستشرقین کے ذہن میں یہ جذبہ پیدا کر دیا کہ ایسے وسائل اختیار کئے جائیں کہ جن سے یہ خطرہ جس سے یورپ ایک ہزار سال تک دوچار رہا ہے واپس نہ آئے۔اس لئے اب ان کے مطالعے اور تحقیق کا رخ ہی بدل گیا۔

مولانا شبلی نے اس دور کے مستشرقین کی علمی دلچسپیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یورپ کی فیاض دلی رشک کے قابل ہے کہ ایک طرف تو مذہبی اختلافات کی بنا پر مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا لیکن دوسری طرف اس نے بے تکلف مسلمانوں کے خوان کرم سے زلہ ربائی شروع کر دی لیکن اس

فیاضی کا تعلق غیر مذہبی لٹریچر سے تھا جہاں تک مذہب کا تعلق ہے تو صلیبی جنگوں کے بعد مستشرقین کے طرز فکر اور انداز تحقیق میں بنیادی تبدیلی رونما ہو گئی۔اب اسلام کی تعلیمات اور پیغمبر اسلام کی حیات طیبہ اور اسلامی تہذیب کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا تھا جو ان کے متعصبانہ افکار کی زد میں نہ آگیا ہو۔''

تیرہویں صدی کے آخیر میں مستشرقین کو کلیسا کا تعاون حاصل ہو گیا اور اب کلیسا نے انہیں اسلامی علوم وفنون پر مواد فراہم کرانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔

مولانا وثیق ندوی لکھتے ہیں کہ '' خود ویٹی کن میں مشرقی علوم ومذاہب پر مشتمل کتابوں کا ایک کتب خانہ قائم کیا گیا۔اور سولہویں صدی عیسوی میں اس علمی تحریک نے ترقی حاصل کرلی اور رومن کلیسا نے مشرقی زبانوں کے سیکھنے کے لئے ہر ممکن تعاون فراہم کیا۔''

کلیسا کا یہ تعاون اس راہ کا سنگ میل ثابت ہوا چنانچہ کلیسا نے فرانس، روس، امریکہ اور دیگر مغربی ملکوں کے تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں میں اسلامک اسٹڈیز کے عنوان سے سنٹر قائم کئے۔ عربی کتابوں کے انگریزی زبان میں ترجمے ہوئے اور خاص طور پر رازی، زہراوی، ابن رشد، ابن سینا اور دیگر مسلم فلاسفہ کی کتابیں انگریزی زبان میں منتقل ہوئیں ۔

اس کے بعد صنعتی انقلاب نے یورپی ممالک میں استعمار اور ملک گیری کی نئی خواہشات کو بیدار کر دیا جس کے نتیجہ میں انہوں نے دنیا کے بہت سارے ممالک پر اپنی نوآبادیات قائم کیں اور وہاں کے سیم وزر بھر بھر کر یورپ منتقل کرنے لگے، وہاں کے خام اشیاء پر قبضہ کر لیا اور عوام پر ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑنے شروع کر دئے۔اسی کے ساتھ ساتھ وہاں کے علمی اور فنی ذخائر کو سمیٹ کر یورپ منتقل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔اور سترہویں صدی عیسوی میں اس پر عمل درآمد بھی شروع ہو گیا۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ '' آکسفورڈ کے عربی پروفیسر ایڈورڈ پوکاک نے حلب سے عربی مخطوطات کے بیش بہا ذخیرے حاصل کئے۔اسی زمانے میں جارج سیل نے قرآن مجید کا ترجمہ انگریزی میں کیا۔یورپی زبان میں قرآن مجید یہ پہلا مکمل کا ترجمہ تھا۔نپولین نے 1798ء کے بعد مصر کے

علمی ذخیروں کو فرانس منتقل کرنا شروع کر دیا اور انگریزوں نے 1757ء کے بعد ہندوستان کے نادر قلمی نسخے لندن پہونچا دیئے۔ انڈونیشیا، ہندوستان ، ایران، مصر، شام اور عراق کے کتنے ہی انمول موتی جن کو غیر ملکوں میں دیکھ کر بقول اقبال " دل سی پارہ " ہوتا ہے

پھر جب نوآبادیاتی نظام سے آزادی کی تحریکیں شروع ہوئیں تو اب یورپین کے لئے نوآبادیوں کی آزادی کو ٹالنا اور اس کو مزید طول دینا ممکن نہ رہا۔ اس لئے دولت برطانیہ نے اپنی نوآبادیوں سے دست بردار ہونے میں پس و پیش نہیں کیا۔ لیکن اس دور میں حالات بدل چکے تھے اس لئے اب سیاسی برتری قائم رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ بظاہر اپنی انداز تحقیق میں احترام کے پہلو کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ اس سیاسی مقصد کی حصولیابی کی خاطر مستشرقین کے انداز تحقیق کے رخ میں بھی بدلاؤ آگیا اور اب ان کے تعصب میں بھی کچھ نرمی آئی ۔

پروفیسر نظامی لکھتے ہیں کہ اس دور کے مستشرقین کی تحقیقی کاوشوں میں رنگ احترام آگیا۔ اقبال نے 1932 میں جب پروفیسر میسی نیون سے کہا کہ مغرب کے مؤرخین کو اسلام سے جو تعصب و عناد ہے وہ وقت گزرنے کے ساتھ کم ہو رہا ہے اور اسلام کی صداقت ان پر آشکارہ اور واضح ہوتی جا رہی ہے تو میسی نیون نے ان کی رائے پر پوری طرح سے اتفاق کیا"۔

لیکن دوسری طرف ایسے فتنوں کو خاموشی کے ساتھ بیدار کر دینے کی جستجو شروع ہو گئی جس سے مسلمان ممالک افتراق و انتشار کا شکار بنے رہیں اور ملی وحدت کی پرچھائیاں بھی ان کے ذہن و دماغ پر نہ پڑنے پائیں۔ اس دور کے مستشرقین اپنے ملکوں کے وزارت خارجہ کے مشیر خاص بن گئے اور ان کی تحقیق اگر ایک طرف مغربی حکومتوں کی خارجہ پالیسی کا رخ متعین کرنے لگی تو دوسری طرف ان علاقوں میں خیالات کی تبدیلی لانے کے لئے وزارت خارجہ ان مستشرقین سے مدد لینے لگی۔ اور دوسری جنگ عظیم کے بعد مستشرقین نے اسکاربرو رپورٹ تیار کیا جس کو صحیح معنوں میں مستشرقین کا منشور کہا جا سکتا ہے جس کا مقصد ہی یہ تھا کہ بدلتے ہوئے حالات پر نگاہ رکھی جائے ورنہ ایسا نہ ہو کہ ان بدلتے ہوئے حالات کی وجہ برطانوی سامراجی مقاصد کو بری طرح نقصان پہونچے۔ چنانچہ اب برطانیہ نے امن عالم کا پرفریب نعرہ بلند کرنا شروع کر دیا تاکہ اس کی آڑ میں وہ اپنے مقاصد کو بعینہ پورا کر سکے ۔ لیکن حالات نے کروٹ لیا اور عربی ممالک میں تیل کے ذخائر دریافت کر لے گئے۔ اب عرب ممالک کچھ سالوں میں سیم و زر سے مالا مال ہونے والے تھے۔ اس لئے اب صورتحال تبدیل ہوتی ہوئی نظر آنے لگی جس سے مستشرقین کی پریشانیاں مزید بڑھ گئیں۔ لیکن ان حالات پر قابو پانے کے لئے ان کے تحقیقات کا مرکز اب اسلامی تحریکات، سماجی رجحانات، اقتصادیات و معاشیات کے امکانات قرار پائیں

پروفیسر نظامی لکھتے ہیں کہ اب مستشرقین کی دلچسپی جدید مذہبی تحریکات، سماجی رجحانات اور اقتصادی امکانات کے مطالعہ کی طرف منتقل ہو چکی ہے اور فکر اسلامی کی توجیہ و تاویل سے زیادہ مسلمان ملکوں کے اندرونی اور بیرونی حالات کے تجزیہ کی طرف توجہ ہے۔ قومیت کے وہ عناصر جو عربوں کی وحدت ملی کے تصورات کو پارہ پارہ کر سکتے ہیں، اب توجہ کا مرکز بن گئی اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صیہونیت نے مستشرقین کے انداز تحقیق سے خاموش ساز باز کر لیا ہے۔"

:مستشرقین کے مطالعے اور تحقیقات کے مقاصد

مستشرقین کے پیش نظر ان تحقیقات اور مطالعات کے ذریعہ بہت سارے مقاصد کو حاصل کرنا تھا جن میں سے اکثر و بیشتر میں انہیں کامیابی ملی ہے۔اسلام کے تناظر میں ان کی تحقیقات کا جائزہ لیا جائے تو اس میں سب سے اہم مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو ان کی تہذیبی و تمدنی ورثہ اور اجتماعی زندگی کے دینی شعور سے بالکل الگ کر دیا جائے تاکہ ان کے افکار و خیالات میں مغربیت کی جھلک نظر آئے، اور جب بھی وہ اپنی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ان کے ہیروز اور قائدین مغرب کے ہیروز اور ان کے لیڈروں کے سامنے کمتر نظر آئیں۔اور اس طرح سے وہ مغرب کی برتری اور ان کے قیادت قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں ۔

مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ ہم کو صرف یہی رونا نہیں ہے کہ ہمارے زندوں کو یورپ کے زندوں نے مغلوب کر لیا ہے بلکہ یہ رونا بھی ہے کہ ہمارے مردوں پر یورپ کے مردوں نے فتح پالی ہے"۔

مستشرقین کا دوسرا اہم مقصد یہ رہا ہے کہ اسلام کے روشن اور تابناک چہرہ کو مسخ کر کے پیش کیا جائے اور مسلمانوں کے دلوں میں ان کے دین، ان کی تہذیب و ثقافت اور ان کے قانون و شریعت کے سلسلے میں ایسی تشکیک اور بیزاری پیدا کر دی جائے کہ وہ انہیں فرسودہ خیال کرنے پر مجبور ہو جائیں بقول پروفیسر نظامی کے مسلمان سائنس کی برتری تسلیم کر کے مذہب بیزار ہو جائیں۔ "

ان کے مطالعے کا تیسرا اہم مقصد یہ تھا کہ ان کو فروعی مسائل میں ایسے الجھا کرر کھا جائے کہ جس سے ان کے سوچنے، سمجھنے اور غور وفکر کرنے کا مادہ باقی ہی نہ رہے۔اس مقصد کے لئے انہوں نے نبی ﷺ، صحابہ کرام وصحابیات، تابعین اور دیگر علماء اسلام پر الزام تراشیاں شروع کر دیں۔ ساتھ ہی ساتھ قرآن عیسائیت ویہودیت سے ماخوذ اور محمد ﷺ کی تصنیف کردہ کتاب اور کتب احادیث اور اسماء الرجال کو عہد عباسی کی خود تراشیدہ تصنیفات ثابت کرنے کی بھرپور کوشش ہوئی۔ بقول پروفیسر نظامی کہ مسلمانوں کے ذہن کو ایسے مسائل میں الجھا کرر کھ دیا جائے جن کا ان کے علمی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو لیکن جو قوائے ذہنی کو مضمحل کرنے میں کار گر ثابت ہوں ''

:اکیسویں صدی میں مستشرقین کا رخ

اخبارات ورسائل پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ اسلام اور مغرب کی کشمکش آج بھی جاری ہے، مستشرقین کے انداز تحقیق کا رخ ضرور بدل گیا ہے ان کے تحقیقات ومطالعات کا سلسلہ بند نہیں ہوا ہے چنانچہ انہی مقاصد کی حصولیابی کے لئے 9/ستمبر 2001ء کو امریکہ کے ولڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کرا گیا تا کہ اس کے ذریعہ افغانستان میں اسلامی حکومت کی اٹھنے والی چنگاری کو بجھا کرر کھ دیا جائے جس میں شاید انہیں کامیابی کم نقصان زیادہ ہوا اور اسی مقصد کے پیش نظر ابھی دو سال قبل ابو بکر البغدادی کی قیادت میں اسلامک اسٹیٹ کے نام پر جو خونی کھیل شروع ہوا وہ بھی اسی کا ایک حصہ ہے جسے امریکہ اور دیگر یورپین ممالک کا تعاون حاصل ہے۔اس کے ذریعہ اسلام کے چہرہ کو مسخ کرنے اور اسلام کی طرف مائل ہونے والوں کو اس سے بیزار کرنے کی کوشش کی گئی جس میں انہیں ناکامی ملی ۔

۔:حوالہ جات

تاریخ وتہذیب عالم۔ مترجم امیر الدین / تقی حیدر ۔1

(۔انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم۔ ولیم ایل لینگر (مترجم مولانا غلام رسول مہر2

3۔ یورپ کی بیداری (RENAISSANCE) ۔مکمل

4۔ ہسٹری آف ویسٹرن فلاسفی۔ برٹرینڈ رسل (مترجم: ذکی احمد) (نشاۃ ثانیہ سے ڈیوڈ ہوم تک)

5۔ یورپ پر اسلام کا احسان۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق

6۔ تاریخ اور سیاست۔ ڈاکٹر مبارک علی

7۔ عالم اسلام پر مغرب کا تسلط۔ مولانا وثیق ندوی

8۔ یورپ مسلمانوں کی نظر میں۔ مترجم:۔ مسعود اشعر

The Discovery of Europe ۔برنارڈ لیوس

9۔ جدید جاہلیت۔ محمد قطب

10۔ اسلام اور مستشرقین۔ سید صباح الدین عبدالرحمن

11۔ضیاء النبی۔ پیر محمد کرم شاہ ازہری

12۔علوم اسلامیہ اور مستشرقین۔ مترجم ڈاکٹر ثناء اللہ ندوی

13۔ معرکہ سائنس و مذہب۔ ریپر (مترجم مولانا ظفر علی خان

14۔اسلام اور مستشرقین۔ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

15۔ سرمایہ داری، اشتراکیت اور اسلام۔ مولانا ابوالاعلی مودودی

16۔اسلامی سیاست۔ مولانا گوہر رحمن